مراجیت اور استعماریت سے نو سامراجیت اور نو استعماریت تک کے آسیب میں مبتلا ہے۔

بیسویں صدی کے اواخر اور اکیسویں کے اوائل میں عالمی استعمار نے دُنیا کے امن کو جس طرح گہنا دیا ہے اُس کے خلاف احتجاج اور مزاحمت بھی ''اُردو نظم'' کا ایک قابل ستائش کارنامہ ہے۔ یہ مقالہ ''استعمار'' کے خلاف عوام اور قارئین کی ذہن سازی کی ایک ناقدانہ کوشش ہے۔قوی امید ہے کہ ایسی کوششیں ہی استحصالی نظام سے بالآخر نجات کی ضامن ہیں۔

ابواب بندی کے ضمن میں گزارش ہے کہ یہ مقالہ پانچ ابواب پر مشتمل ہے، پہلے باب میں ''استعمار'' کی تعریف اور پس منظر بیان ہوا ہے۔ انگریز کی ہندوستان میں تجارت کی غرض سے آمد، ہندوستان کے تخت وتاج پر اقتدار واختیار کی صورت میں منتج ہوتی ہے۔ ''کمپنی بہادر'' نے کیسے اور کس طرح یہ مرحلے طے کیے، استحصال کے کن رویوں کو پروان چڑھایا، اس سب کچھ کا برملا اظہار باب اوّل میں ملتا ہے۔ ''کمپنی'' سے ''تاج برطانیہ'' کے ''زیرنگیں'' آنے والا ہندوستان غلامی اور محکومی میں کیسے اور کیونکر مبتلا ہوتا ہے۔ اس پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ ''کمپنی'' کے عیارانہ عزائم کے سات ساتھ مقامی حماقتوں کی تصریحات وتشریحات صورتِ حال کا متوازن جائزہ پیش کرتی ہے۔ اِس عہد میں معاشرت اور معشیت کی تغیر پذیر یا زوال پذیر تصویر سامنے لانے کی بھرپور سعی کی گئی ہے۔ اِس دوران ''اُردو نظم'' کن رُجحانات پر مبنی تھی، اس کا روپ کیا تھا، غزل کے مقابلے کیا حیثیت تھی، سیاسی مضامین کو کس حد تک دخل تھا، اِس پر بھی توجہ مرکوز رکھی گئی ہے۔

دوسرا باب جو کہ ''استعماریت اُردو نظم میں -ابتدا سے ۱۸۵۷ء'' تک کے عنوان پر مبنی ہے۔ غدر یا جنگ آزادی کے اسباب وعلل اور تاثرات ونتائج کو پیش کرتا ہے۔ یہاں بھی سیاسی چپقلش کے اُن شدید رُجحانات پر بحث کی گئی ہے جو''جنگ آزادی'' کا باعث بنے۔ یہ جنگ برّعظیم کی شکست کا کیوں مقدر بنی اور ادبی حلقوں نے اس پر کیا ردّعمل ظاہر کیا، مختصراً مگر جامع انداز میں احاطہ اور تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔ اِس حزنیہ اور شکست و ریخت کے عالم میں شاعری خاص کر ''اُردو نظم'' نے کیا کردار ادا کیا، خصوصی توجہ کا مرکز ٹھہرا ہے۔ نظم جو مثنوی کی صورت میں جنوبی ہند ''دکن'' سے مقبولیت کی سند لیتی ہے۔ شمالی ہند میں ''شہر آشوب'' وغیرہ کی صنف میں کس حد تک مسائل کا تجزیہ کرتی ہے، تحقیقی وتنقیدی نقطۂ نظر سے اِس کا محاکمہ کیا گیا ہے۔ ''نکبت و ادبار'' کے نقشے شاعری میں کیسے مرتب ہوئے، شعرا کا اس ضمن میں قلمی اور بعض صورتوں میں عملی کردار بھی سامنے لانے کی جسارت کی گئی ہے۔ ''۱۸۵۷ء'' کی جنگ آزادی کے حوالے سے ''فغان دہلی'' کے تحت لکھے جانے والے کلام کو خصوصی اہمیت حاصل رہی ہے۔ یہ کلام درد واثر اور سوز وگداز سے مملو ہے۔

تیسرا باب ''اُردو نظم میں استعماریت ۱۸۵۷ء سے ۱۹۲۱ء (وفات اکبرالہ آبادی)'' پر محیط ہے۔ اِس باب میں جنگ آزادی میں ناکامی کے بعد پیدا شدہ حالات میں ''اُردو نظم'' کے کردار کو سمجھنے کی کوشش تہذیبی، معاشرتی، معاشی اور سیاسی پس منظر کی مرہون منت رہی ہے۔ ۱۸۵۷ء کے بعد کچھ عرصہ ادب میں اک خلا سا نظر آتا ہے، لیکن سیاسی اور سماجی تنظیموں اور تحریکوں کے آغاز وتحرک سے یہ خلا جلد پُر ہو جاتا ہے۔ اِس عہد میں ''سرسیّد'' کے نظریات اُردو ادب پر اپنا رنگ جماتے ہیں۔

"انجمن پنجاب" کے تحت لکھی گئی "نظم" روایت سے ہٹ کر نئے موضوعات اور نئے اسالیب کی طرف گامزن ہوتی ہے۔ اِس عہد کی نظم "سیاسی بلوغت" کے مرحلے میں داخل ہوتی نظر آتی ہے۔ "حب الوطنی" کے ساتھ ساتھ "استعمار دشمنی" کا رویہ برابر راہ پاتا دکھائی دیتا ہے۔ انیسویں صدی کا اواخر اور بیسویں صدی کا آغاز کئی طرح کے سیاسی ہیجانات پر مبنی ہونے کے باعث "نظم" میں مختلف سیاسی زاویے پیش کرتا ہے۔ اِس عہد کی نظمیں، ہندوستان میں سیاسی تبدیلیوں کی عکاس ہیں جن کا مقالے میں مفصل ذکر موجود ہے۔ سودیشی تحریک اور تحریکِ خلافت اس عہد کی عظیم سیاسی تحریکیں ہیں۔ اِس باب کو "اکبر الہٰ آبادی" تک اس لیے محدود کیا گیا ہے کہ انھوں نے جس انداز میں "استعمار دشمنی" کے مرقعے پیش کیے وہ مخصوص انداز ان کی وفات "۱۹۲۱ء" کے ساتھ اختتام پذیر ہوجاتا ہے۔ اگرچہ "اُردو نظم" "استعمار دشمنی" کی فضا کو اِن کے بعد بھی شد و مد سے جاری رکھتی ہے۔ لیکن اکبر اپنے انداز کے موجد بھی ہیں اور خاتم بھی لہٰذا اِس بڑے پڑاؤ پر ہم نے اِس باب کی تکمیل کی ہے۔

چوتھا باب ۱۹۲۱ء "وفات اکبر الہٰ آبادی" سے ۱۹۵۶ء "وفات مولانا ظفر علی خاں" پر مشتمل ہے۔ اِس عہد میں بڑے بڑے اکابر، مجاہدانہ اور مجتہدانہ رویوں کے مالک شعرأ زیرِ بحث آئے ہیں جن میں مولانا ظفر علی خاں کی اپنی ذات ایک روشن ستارے کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ عہد ہندوستان کی سیاست میں یقیناً حد درجہ اہمیت کا حامل ہے۔ اِس دَور میں ہندو مسلم اتحاد کی بنتی بگڑتی کئی شکلیں سامنے آتی ہیں، بالآخر شدھی اور سنگھٹن جیسی متعصبانہ تحریکیں اس اتحاد کا گلہ گھونٹنے میں کامیاب ہو جاتی ہیں اور نتیجتاً ہندوستان دو حصّوں میں تقسیم ہوکر آزادی کے خواب سے شرمندہ تعبیر ہوتا ہے۔ اس عہد کے سیاسی منظر نامے پر مولانا ظفر علی خاں کی نظم احاطہ کیے ہوئے ہے، تحریکوں، تنظیموں اور رجحانات کو مولانا کی شاعری معروضی اور موضوعی، جزوی اور کلی اعتبار سے اپنے اندر سموئے ہوئے ہے لہٰذا اِس باب کا اختتام مولانا ظفر علی خاں کی وفات (۱۹۵۶ء) کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس باب میں ایسے شعرا کا تذکرہ ہے (سوائے ایک آدھی استثنائی مثال یا نام کے) جو ۱۹۵۶ء تک خالق حقیقی سے جا ملے تھے۔ قائد اعظم اور گاندھی اِس زمانے کی سیاست پر چھائے نظر آتے ہیں۔ کانگریس اور برطانوی گٹھ جوڑ بھی مسلم قوم کے استحصال ہی کا پیش خیمہ ثابت ہوتا ہے۔ وہ شعرأ جو متحدہ ہندوستان کے حامی تھے، اب اپنی نظموں میں "انگریز سامراج" اور "رام راج" دونوں کا محاسبہ کرتے نظر آتے ہیں۔ ۱۹۳۶ء میں ترقی پسند تحریک کا باقاعدہ آغاز اِس عہد کا بہت بڑا ادبی اور سیاسی کارنامہ ہے جس نے ادب اور معاشرے دونوں کو بہت متاثر کیا اور جس کے اثرات آج بھی کسی نہ کسی صورت موجود ہیں۔

اِس مقالے کا "پانچواں باب" جو کہ آخری باب بھی ہے، "۱۹۵۶ء وفات مولانا ظفر علی خاں سے، ۲۰۰۰ء کے اختتام تک کے سفر کو طے کرتا ہے۔ اکیسویں صدی کی پہلی دہائی بھی کسی حد تک سیاسی حیثیت اور استعماری غلبے کے باعث اس میں شامل ہے۔ اس باب میں شامل نظمیں، ترقی پسند تحریک وغیرہ سے لے کر اب تک کے اہم ادبی اور سیاسی رُجحانات کو سامنے لاتی ہیں۔ مقالے میں اِس بات کا بھی اہتمام رکھا گیا ہے کہ جن شعرا نے براہِ راست "استعمار" کو ہدف تنقید نہیں بنایا، یا جن کا یہ بھرپور رجحان نہیں رہا، (جیسا کہ میراجی وغیرہ) لیکن اُن کے تنقیدی نظریات "استعماری تناظر" میں دیکھے جاسکتے ہیں،